نظرات

دارالعلوم دیوبند

دارالعلوم دیوبند کا اجلاس صد سالہ (مارچ ۱۹۸۰ء) کس شان و شوکت اور طمطراق سے ہوا تھا کہ دنیا میں اس کی عظمت و سطوت کا سکہ بیٹھ گیا اور جو نہیں جانتے تھے وہ بھی اس کی جلالت مرتبہ و مقام کے قائل اور معترف ہو گئے، لیکن سخت افسوس اور رنج کی بات ہے کہ مورخ کے قلم کی روشنائی ابھی خشک بھی نہیں ہوئی تھی کہ ناموافق حالات و واقعات کی تیز و تند آندھی اس تہر مانی سے چلنی شروع ہوگئی کہ اجلاس صد سالہ نے اس مرکز علوم دینیہ کی عظمت و شہرت کے جو نقوش صفحات گیتی پر اجاگر کئے تھے وہ دھندلانے لگے اور اس کی دیرینہ عظیم روایات و تاریخ کے اوراق زریں منتشر ہو گئے۔ اختلاف کا فلسفہ یہ ہے کہ شروع شروع میں چند اکابر میں پیدا ہوتا ہے اور عام طور پر چند غلط فہمیوں اور دور دراز کار اندیشوں پر مبنی ہوتا ہے اگر اس کے تدارک کی کوشش آغاز کار میں ہی کر لی جائے تو اختلاف دور ہو جاتا ہے دل صاف ہو جاتے ہیں اور فضا خوشگوار بن جاتی ہے۔ مثلاً یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ جگر گوشۂ رسول حضرت فاطمہؓ کو فدک اور خیبر کے معاملہ میں خلیفۂ اول حضرت ابوبکر صدیقؓ کی طرف سے یک گونہ ملال اور رنج تھا، اور اس بنا پر حضرت علیؓ بھی آزردہ خاطر تھے، لیکن حضرت ابوبکر صدیقؓ کو اس کا علم ہوا تو ذرا تاخیر نہ کی، فوراً کاشانۂ مرتضوی پہنچے

دحضرت فاطمہؓ اور حضرت علیؓ دونوں سے گفتگو کی، پہلے حضرت فاطمہؓ اور حضرت علیؓ کا
و مرتبہ و مقام تھا اور اس کی وجہ سے خود حضرت ابوبکر کے دل میں دونوں کے لیے غایت
حترام و ادب کے علاوہ جو محبت تھی اس کا ذکر فرمایا اور پھر حضرت علی سے مخاطب ہوکر
رشاد کیا، کیا تم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نہیں سنا کہ" ہم انبیاء کے
ر کہ میں وراثت نہیں ہوتی، اس لیے ہمارا جو کچھ ترکہ ہوتا ہے وہ صدقہ ہوتا ہے۔" حضرت
لیؓ نے اس کی تصدیق فرمائی تو شدت جذبات کے عالم میں حضرت ابوبکرؓ پر گریہ طاری
وگیا، ان کی یہ حالت دیکھ کر حضرت علیؓ بھی رو پڑے اور حضرت فاطمہؓ بھی آب دیدہ
ہوگئیں اور وہ غلط فہمی جو ایک بڑے فتنہ کا سبب بن سکتی تھی۔ صدیق اکبرؓ کے فوری
نہایت مدبرانہ اور جرأت مندانہ اقدام کے باعث دور ہوگئی، لیکن اگر اختلاف کا
مدارک فوراً نہ کیا جائے تو اس کا دائرہ روز بروز وسیع ہوتا رہتا ہے، مخلصین کے
ساتھ خود غرض اور فتنہ پسند لوگ بھی شریک ہوجاتے ہیں اور پھر معاملہ اس قدر
آگے بڑھ جاتا ہے کہ اختلاف سخت نزاع باہمی اور عظیم فتنہ و فساد کا سبب بنتا
ہے، تاریخ میں اس کی دو ایک نہیں سینکڑوں مثالیں موجود ہیں:

یہاں جو اختلاف پیدا ہوا اس کی بنیاد کیا تھی؟ اور پہلے سے اس کے دواعی
و اسباب کیا تھے؟ یہ کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں ہے۔ سب کو معلوم ہے، بہرحال
اختلاف پیدا ہوا اور چونکہ اسے ختم کرنے کے لیے فوری طور پر کوئی موثر عملی اقدام
نہیں کیا گیا اس بنا پر اس اختلاف نے پر پرزے نکالنے شروع کیے اور اس کا
دائرہ روز بروز وسیع سے وسیع تر ہوتا چلا گیا۔ ارباب اخلاص و دیانت کے
ساتھ تنگ نظر اور اصحاب اہوا و اغراض بھی شامل ہوگئے، جانبین سے پمفلٹوں،
اشتہاروں اور اخبارات و رسائل کی وہ بھرمار ہوئی کہ خدا کی پناہ، ملت اسلامیہ

برصغیر کے دل دہل گئے اور ہر طرف سے سخت احتجاج و اختساب کی آوازیں آنے لگیں، اس صورت حال سے دارالعلوم دیوبند کی اندرونی فضا کا متاثر ہونا ناگزیر تھا۔ چنانچہ یہاں طلباء اور اساتذہ میں بھی دو گروپ ہو گئے، نہایت افسوس اور رنج اس بات کا ہے کہ اس قسم کے مواقع کے لیے قرآن و سنت کی تعلیمات میں کیا کچھ نہیں ہے اسے بھی یکسر فراموش کر دیا گیا، قرآن مجید میں ارشاد ہوا: اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ، اِنَّ الظَّنَّ لَا یُغْنِیْ مِنَ الْحَقِّ شَیْئًا، حدیث میں فرمایا گیا: کفی بالمرء کذبا ان یحدث بکل ما سمع، ایک حدیث میں حکم دیا گیا: لا تباغضوا ...... ولا تحاسدوا وکونوا عباد اللہ اخوانا، ان سب تعلیمات سے صرف نظر کر کے گروپ بندی کی وجہ سے یہاں افواہوں، الزام تراشیوں اور خوردہ گیریوں کی وہ گرم بازاری ہوئی کہ دارالعلوم کا امن و امان اور اس کا سکون درہم برہم ہو گیا، طلباء میں آئے دن فسادات اور سخت ہنگامے ہونے لگے اور بار بار پولیس کو مداخلت کرنی پڑی، ان حالات کے باعث مدرسہ کے ارباب حل و عقد کو جن صبر آزما واقعات سے دوچار ہونا پڑا وہ تو تھا ہی تعلیمی اعتبار سے اجلاس کے بعد سے اب تک کے دو برس برباد گئے۔ تعلیم ہوئی مگر نہایت ناقص، کوئی کتاب پوری تو کیا ہوتی آدھی بھی نہیں ہوئی، طلباء شورش کرتے تھے اور انتظامیہ اور اساتذہ ان شورشوں کے سدباب کی کوششوں میں لگے رہتے تھے، ۸ر اور ۹ر جون ۱۹۸۰ء کو طلباء کی شورش خود مجلس شوریٰ کے سامنے ہوئی اور ایک شورش میں تو مجلس شوریٰ کے ارکان بھی طلباء کی یورش کا نشانہ بنے۔

مجلس شوریٰ جو دستوری اور قانونی طور پر دارالعلوم دیوبند کی سب سے بڑی اور ذمہ دار مجلس منتظمہ ہے اس نے اس درمیان میں صورتِ حال کی اصلاح کی

بڑی کوشش کی اور اس سلسلہ میں مفاہمت کا ایک فارمولا بھی منظور کیا لیکن چند اسباب و وجوہ کے باعث یہ فارمولا عملی جامہ نہ پہن سکا۔ پانی سر سے اونچا ہوگیا تھا، حالات روز بروز بد سے بدتر ہوتے جا رہے تھے، مسلمان تو مسلمان غیر مسلموں میں بھی دارالعلوم دیوبند کے ان حالات و واقعات کا چرچا تھا۔ پرتاب دہلی نے اس پر ایک طویل اڈیٹوریل لکھا۔ انگریزی اخبارات نے بھی ان سے دلچسپی لی اور ان میں خبروں کے علاوہ خطوط بھی شائع ہوتے رہے، بعض غیر ذمہ دار اخبارات عجیب طرح کی بے بنیاد اور غلط سلط باتیں لکھ رہے اور ہوائی خبریں نشر کر رہے تھے، ۱۲ مئی کو طلباء میں پھر فساد ہوا جس میں بعض سینیر اساتذہ کے ساتھ نہایت ناروا سلوک کیا گیا۔ مسلمانوں اور خصوصاً مدارس عربیہ اور دینی حلقوں میں سخت اضطراب و تشویش کا عالم تھا۔ انھیں حالات میں ۳۰ مئی سے یکم جون تک مجلس شوریٰ کا ایک اہم جلسہ ہوا جس نے متفقہ طور پر چند نہایت اہم فیصلے کیے ہیں، ان فیصلوں کو دونوں جماعتوں کے ذمہ دار اصحاب اور عام مسلمانوں نے پسند کیا اور ان پر اپنے اطمینان کا اظہار کیا ہے، ہمیں معلوم ہے کہ ہماری اصل منزل مقصود ابھی دور ہے، لیکن اگر شرپسند عناصر کی دراندازی سے محفوظ رہ کر خوش دلی اور طمانیت قلب سے محض دارالعلوم دیوبند کے مفاد کے پیش نظر ان فیصلوں میں کھنڈت نہ ڈالی گئی تو اللہ کے فضل و کرم سے پوری امید ہے کہ یہ فیصلے اصلاح حال اور مستقبل میں دارالعلوم کی خاطر خواہ فلاح و ترقی کے لیے ایک موثر اقدام ثابت ہوں گے۔
وَ لَیْسَ ذٰالِكَ عَلَی اللّٰہِ بِعَزِیْز

اس مجلس کی ایک اہم خصوصیت یہ بھی کہ بعض ممبر حضرات جو اپنے اعذار طبعی یا بعض مجبوریوں کے باعث ایک مدت سے شوریٰ کے جلسوں میں شریک نہ ہوسکے تھے وہ بھی

جس طرح بن پڑا حالات کی نزاکت کے پیش نظر دیوبند پہنچ گئے اور تینوں دن صبح سے لیکر رات کے دس گیارہ بجے تک جلسوں میں شریک ہوتے، اس طرح عرصہ دراز کے بعد شوریٰ کا یہ ایک ایسا جلسہ تھا جس سے ایک ممبر بھی غیر حاضر نہ تھا، پھر جو تجاویز منظور ہوئیں وہ متفقہ طور پر ہوئیں، کسی ایک تجویز پر بھی نہ ووٹنگ کی نوبت آئی اور نہ بحث وگفتگو میں کہیں تلخ کلامی پیدا ہوئی، ایک جماعت کے مختلف افراد میں اختلاف فکرونظر ایک امر طبعی اور ناگزیر ہے اور وہ یہاں بھی ہے، لیکن شوریٰ کے اس اجلاس نے ثابت کر دیا کہ جب کبھی دارالعلوم کے حفظ وبقا اور اس کے حقیقی مفاد کو خطرہ لاحق ہوگا یہ سب ہم آہنگ وہم آواز ہوں گے اور ان میں اختلاف نہیں ہوگا۔ بے شبہ مجلس شوریٰ کے ارکان کا یہ جذبۂ تعاون باہمی دارالعلوم کے حق میں فضل الٰہی اور رحمت خداوندی کی نشانی ہے:

مجلس نے جو تجاویز منظور کی ہیں ان کی تعداد بہت ہے۔ہم یہاں صرف وہ چند اہم تجاویز اپنے لفظوں میں لکھتے ہیں جن کا تعلق پبلک سے ہے: (۱) گذشتہ چند برسوں سے ارکانِ شوریٰ کی چار جگہیں متعلقہ حضرات کے انتقال پُرملال کے باعث خالی چلی آرہی تھیں ان کے لیے حسب ذیل چار حضرات ممبر منتخب ہوئے: (۱) جناب مولانا صدیق احمد صاحب (ضلع باندہ) (۲) نواب حاجی عبیدالرحمٰن خاں صاحب شروانی (علی گڑھ) (۳) جناب حاجی علاء الدین صاحب (تاجر بمبئی) (۴) مولانا محمد عثمان نبیرۂ حضرت شیخ الہندؒ (دیوبند)

(۲) مجلس میں حضرت مہتمم مولانا قاری محمد طیب صاحب نے مجلس کے نام اپنا ایک طویل مگر نہایت موثر اور رقت انگیز مکتوب گرامی خود پڑھ کر سنایا، اس خط میں حضرت موصوف نے کمال بلاغت و طلاقت بیانی سے اولاً اہتمام دارالعلوم کے ساتھ اپنے تعلق اور اس حیثیت سے اپنی خدمات کی ایک طویل داستان بیان کی تھی اور پھر اپنے ضعف پیری

ونقاہت کا ذکر کر کے اہتمام کے بارگراں سے سبکدوشی کی خواہش کا اظہار کیا تھا مجلس اس خط سے بڑی متاثر ہوئی اور اس نے کافی اور سنجیدہ غور وفکر کے بعد تجویز یہ منظور کی کہ حضرت مہتمم صاحب اس وقت جس منصب پر فائز ہیں اس پر اب بھی بلکہ تاحین حیات فائز رہیں گے البتہ آپ سے بحیثیت مہتمم کے جو فرائض وواجبات متعلق ہیں ان میں سے جن کا تعلق دارالعلوم کے اندرونی نظم ونسق سے ہے ان کی انجام دہی کے لیے ضروری ہے کہ مولانا نصیر احمد خاں صاحب شیخ الحدیث ونائب مہتمم کے علاوہ مجلس شوریٰ کے قدیم اور باصلاحیت ممبر مولانا مرغوب الرحمٰن بجنوری کو مددگار مہتمم اور مولانا محمد عثمان دیوبندی کو نائب مہتمم مقرر کیا جائے، اس موقع پر مجلس یہ بھی کر سکتی تھی کہ حضرت مہتمم صاحب کے مکتوب گرامی کی روشنی میں حضرت موصوف کو صدر مہتمم بناتی اور مہتمم کے عہدہ پر کسی اور کا تقرر کرتی۔ لیکن چونکہ صدر مہتمم کا تعلق انتظامیہ سے عملاً برائے نام ہوتا ہے اس بنا پر موجودہ حالات میں ایسا کرنا پبلک میں بہت سی غلط فہمیوں کا موجب اور حضرت مہتمم صاحب کی شان ارفع واعلیٰ کے نامناسب ہو سکتا تھا اس لیے مجلس نے ایسا کرنے سے اجتناب کیا۔ لیکن نہایت افسوس کی بات ہے کہ مجلس نے جو احتیاط ملحوظ رکھی تھی ایک انگریزی خبر رساں ایجنسی نے غلط سلط خبر انگریزی کے اخباروں میں شائع کر کے اسے برباد کر دیا۔

مذکورۂ بالا دو تجویزوں کی ایک عظیم افادیت اور اہمیت یہ ہے کہ ان تجویزوں کے ذریعہ ایک نہایت سخت اور خطرناک غلط فہمی دور ہو گئی جس نے برصغیر کے ہزاروں لاکھوں مسلمانوں کے دل ودماغ میں گھر کر رکھا تھا۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ مجلس شوریٰ کی ممبری اور نیابت اہتمام ان دونوں منصبوں اور عہدوں کے لیے مہینوں سے مقامی اور غیر مقامی اخبارات ورسائل اور پروپیگنڈہ لٹریچر میں بار بار دو حضرات کے اسمائے گرامی اس زور شور اور قوت وشدت سے آرہے تھے کہ گویا دیوبند میں اختلاف

کی ساری بنیاد وہی شخصی اقتدار کی جنگ اور کشمکش ہے اور حقیقت یہ ہے کہ پرتاپ اور بعض انگریزی اخبارات نے یہ خیال ظاہر بھی کیا تھا اور بہت سے مسلمان بھی سمجھنے لگے تھے کہ واقعہ یہی ہے اور اس کی وجہ سے مجلس شوریٰ میں بھی دو گروپ ہیں، ایک ایک کا حامی اور اس کے لیے سرگرم ہو سائی اور دوسرا دوسرے کا حامی اور اس کے لیے بجدّ ہم ہرگز یہ باور نہیں کر سکتے تھے کہ یہ دونوں حضرات ان عہدوں کے خود طلبگار اور خواہاں ہیں اور اسی بنا پر اس سلسلہ میں جو پروپیگنڈہ ہو رہا ہے وہ خود ان کے ایما اور اشارہ پر ہو رہا ہے، کیونکہ یہ دونوں حضرات اپنے ذاتی علمی و عملی اوصاف و کمالات کے علاوہ ان بزرگوں کی اولاد و امجاد ہیں جنھوں نے اپنے خون جگر سے چمن زار دار العلوم دیوبند کی آبیاری محض خالصتہً لوجہ اللہ کی اور وہ کبھی اپنی خدمات کے عوض دنیوی مرتبہ و جاہ کے آرزومند نہیں ہوئے، اس بنا پر ہمارا خیال تھا اور بالکل صحیح تھا کہ یہ پروپیگنڈہ جو کچھ بھی ہو رہا ہے صرف ان چند کوتاہ اندیش لوگوں کی طرف سے ہو رہا ہے جو "پیراں نمی پرند و مریداں می پرانند" کا مصداق ہیں اور جیسا کہ ہر تحریک میں ہوتا ہے اب معاملہ اتنا بڑھ گیا ہے کہ ان دونوں حضرات کے کنٹرول سے باہر ہو گیا ہے، الحمد للہ ثم الحمد للہ! مجلس شوریٰ کی ان دو تجویزوں نے اس عام اور سخت غلط فہمی کا پردہ چاک کر کے مطلع بالکل صاف کر دیا۔ صدر جلسہ مولانا محمد منظور نعمانی نے الگ الگ ارکان شوریٰ سے گفتگو اور تبادلۂ خیال کے بعد شوریٰ کے جلسہ میں شوریٰ کی ممبری اور نیابت اہتمام کے لیے نام پیش کیے اور سب ارکان نے ہنسی خوشی بغیر استکراہ کے انھیں منظور کر لیا کسی نے شوریٰ کی ممبری کے لیے نہ ان کا نام پیش کیا اور نہ نیابت اہتمام کے لیے ان کا، اس معاملہ میں حضرت مہتمم صاحب نے جس عالی ظرفی اور بلند نظری کا ثبوت دیا ہے وہ بھی بڑا قابل قدر اور ان کی خاندانی روایات کے شایان شان ہے، حضرت موصوف نے اپنے مکتوب گرامی بنام مجلس شوریٰ میں سب کچھ فرمایا لیکن اس کی طرف اک ادنیٰ سا اشارہ بھی نہیں

کیا کہ اہتمام کا بارگراں ہلکا کرنے کی غرض سے فلاں صاحب کو میر امدادگار یا نائب مہتمم مقرر کر دیا جائے۔

بہر حال مجلس شوریٰ نے اپنے حالیہ اجلاس سے جو فضا پیدا کی ہے وہ بڑی خوش آئند اور خوشگوار ہے، بہی خواہان دارالعلوم دیوبند کا فرض ہے کہ اس فضا کو خوشگوار سے خوشگوار تر بنانے کی کوشش کریں، ہمیں یقین ہے کہ اگر یہ فضا بڑھتی اور ترقی کرتی رہی تو وہ دن جلد آسکتا ہے جب کہ مجلس شوریٰ خود متفقہ طور پر بادِ صبا کو گل کے ہم نفس ہونے کی دعوت دے گی، خود دارالعلوم دیوبند کی تاریخ میں اگر اب سے چالیس بیتالیس برس پہلے ایسا ہو سکا ہے تو پھر دوبارہ ایسا کیوں نہیں ہو سکتا۔

گذشتہ دو برس میں دارالعلوم میں جو تعلیمی ابتری اور پراگندگی رہی ہے مجلس شوریٰ نے بڑے درد وکرب کے ساتھ اس کا بہت سخت نوٹس لیا لیکن چونکہ ایجنڈے کا یہ جز آخری دن کی نشست میں پیش آیا تھا اور معاملہ تھا بہت اہم اس لیے شوریٰ نے طے کیا کہ شوال میں جب مدرسہ کھلے شوریٰ کا ایک خصوصی جلسہ صرف تعلیم سے متعلق امور ومسائل پر غور وخوض کرنے کی غرض سے منعقد کیا جائے، امید ہے کہ یہ مشکل بھی خاطر خواہ طور پر حل ہو گی اور آئندہ سال تعلیمی اعتبار سے بھی دارالعلوم کا کامیاب سال ہو گا۔